وجودِ حجت

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

قسط۔۳

مضمون نگار رقم طراز ہے کہ ''ابتدا اس اعتقاد (اعتقاد مہدی موعود) کی حسینؑ بن علیؑ کی شہادت سے ہوئی جو ۶۱ھ میں کربلائے معلّٰی کی زمین پر قتل کئے گئے اور ان کے قتل سے اسلام کو سخت صدمہ پہنچا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام اطراف ملک میں بغاوت پھیل گئی اور اضطراب پیدا ہوگیا، ایسی صورت میں فطری اقتضا اس کا تھا کہ لوگوں کو خدا کی طرف توجہ پیدا ہوا اور تھوڑے زمانہ کے بعد یہ اعتقاد قائم ہوگیا کہ اس خلفشار کے دور کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کو خداوند عالم نے اپنی طرف سے مبعوث کیا ہو اور وہ امت کی ہدایت کے کام کو انجام دے۔ مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مہدی ایک مدت کی غیبت کے بعد ظاہر ہوں گے یعنی ان کی وفات نہیں ہوئی ہے اور عبداللہ بن سبا ایک شخص جو کہ عثمان کے زمانۂ خلافت میں مسلمان ہوا تھا وہ اٹھا اور اس نے کہا امام ثانی عشر شیعوں کے ائمہ میں سے محمد بن الحسن العسکری علیہما السلام ہیں، وہ اپنے گھر میں جو شہر حلّہ کے اندر تھا سرداب میں داخل ہوئے اور اس میں غائب ہوگئے اور عنقریب آخر زمانہ میں ظاہر ہوکر زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور شیعوں کی ایک کثیر جماعت نے اس شخص (عبداللہ بن سبا) کے خیال کا اعتقاد کرلیا اور یہ لوگ اب تک مہدی موعود کا انتظار کرتے ہیں اور اسی لئے ان کو منتظر کہتے ہیں اور یہ لوگ ہر شب اس سرداب کے دروازہ پر جہاں ان کے خیال میں امام کی غیبت ہوئی ہے کھڑے ہوتے ہیں اور آپ کا نام لے کر آواز دیتے ہیں اور جب رات تاریک ہوتی ہے تو اپنے اپنے گھر واپس ہوتے ہیں اور پھر دوسری رات کو اسی طرح جمع ہوتے ہیں۔''

ہم نے اس پوری طویل عبارت کو صرف اس لئے نقل کردیا کہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ اس وقت شیعہ فرقہ کے متعلق دنیا میں کس قسم کے بے سروپا خیالات کی اشاعت کی جاتی ہے، نیز اس عبارت میں جس صداقت وامانت اور واقفیت سے کام لیا گیا ہے اس پر عالم مطبوعات کو افتخار کا موقع حاصل ہوسکے۔

کیا کہنا اس تاریخی اجتہاد کا؟ مضمون نگار کا خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا جو عثمان کے زمانۂ خلافت میں مسلمان ہوا تھا اور جس کو علیؑ بن ابی طالبؑ نے اپنے زمانہ میں یعنی ۴۰ھ سے پہلے کفر وغلو اور حضرت کے بارے میں الوہیت کے اعتقاد کی وجہ سے قتل کیا وہ ۲۶۰ھ کے بعد اٹھا اور اس نے یہ اعتقاد شائع کیا کہ مہدی امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں، کیا ایسی تحریروں پر تاریخ اور علم بلکہ شرف انسانیت آٹھ آٹھ آنسو نہ روتے ہوں گے، اس کے علاوہ کون شخص نہیں جانتا کہ ہمارے ائمہ معصومینؑ میں سے کسی بزرگ کا قیام کبھی

حلہ میں نہیں رہا اور نہ وہاں ان حضرات میں سے کسی کا گھر ہے نہ سرداب بلکہ حلہ اس زمانہ تک موجود بھی نہ تھا، امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کا قیام عباسی بادشاہ کی جانب سے حکم نظر بندی کی وجہ سے سامرہ میں رہا اور وہیں ۲۵۶ھ میں امام مہدیؑ کی ولادت ہوئی اور حضرت کے متعلق آخر میں جو واقعات پیش آئے ان میں سے یہ تھا کہ عباسی بادشاہ امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مہدی موعود کی جستجو میں مصروف ہوا اور اسی دوران میں ملازمین سلطانی نے اس سرداب کے اندر بھی ہجوم کیا جہاں حضرت کا قیام تھا لیکن خداوند عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت کو ان کی آنکھوں سے مخفی رکھا اور اس کرامت باہرہ کی وجہ سے شیعوں کی نظر میں اس سرداب کو اہمیت حاصل ہوگئی، شیعوں کا اعتقاد ہے کہ امام مہدی عجل اللہ فرجہ روئے زمین پر موجود ہیں لیکن حکم خدا سے لوگوں کی نظریں آپ کے مشاہدۂ جمال سے قاصر ہیں اور حضرت غائب رہیں گے یہاں تک کہ خدا آپ کو ظہور کا حکم دے گا اس بنا پر شیعہ افراد جب امام علی نقی وامام حسن عسکری علیہما السلام کے قبور مطہرہ کی زیارت کو سامرہ جاتے ہیں تو مذکورۂ بالا کرامت کی یادگار میں تیمن وتبرّک کے طور پر سرداب کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ جس میں رات دن کی کوئی خصوصیت نہیں، وہاں نماز پڑھتے اور جس طرح تمام مقامات مقدسہ اور مخصوص متبرک ایام میں جناب باری عزّ اسمہٗ سے دعائیں کرتے ہیں اسی عادت کی بناء پر اس سرداب میں بھی خداوند عالم سے ظہور حضرت حجت کی دعا کرتے ہیں۔

سابق زمانہ کے مصنفین اگر ناواقفیت کے باعث اس قسم کے امور سے اپنی کتابوں کے صفحات کو سیاہ کریں تو قابل تعجب نہیں لیکن موجودہ زمانہ میں جو روشنی کا دور کہا جاتا ہے اس قسم کے افتراء پردازی کی نمائش بہت زیادہ قابل افسوس ہے۔ اگر کسی کو اسلامی عقائد یا حضرت امام مہدیؑ کی غیبت کے مسئلہ میں علمی حیثیت سے اعتراض ہو تو اس کو انکشاف حقیقت کے لئے سامنے آنا چاہئے ہمارے پاس ادلۂ عقلیہ ونقلیہ کی کمی نہیں لیکن افتراء وبہتان کے مظاہرہ کی کیا ضرورت ہے۔

مضمون نگار نے امام مہدیؑ کے متعلق شیعوں کے عقائد پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ ''اس اعتقاد کا امت اسلامیہ میں ایک بہت برا نتیجہ جو ظاہر ہوا وہ یہ کہ اکثر دجال سیرت اور دغاباز اشخاص کو اس کا موقع مل گیا کہ وہ مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کریں۔''

مضمون نگار کو ذرا سمجھ کر اعتراض کرنا چاہئے۔ یہ نتیجہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے خداوند عالم کے اعتقاد میں بھی پیدا ہوا ہے اس لئے کہ بہت سے انسانوں نے اپنے متعلق الوہیت کا دعویٰ کیا یا دوسرے لوگوں نے ان کے متعلق الوہیت کا اعتقاد کرلیا اور ایسا ہی نتیجہ نبوت ورسالت کے اعتقاد میں بھی پیش آیا کیونکہ ابتدائے اسلام کے بعد مسیلمہ وسجاح وغیرہ نے دعوائے نبوت کیا اور نصاریٰ کے کتب عہدین میں بھی بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت کا اشارہ موجود ہے لیکن اس قسم کے نتائج درحقیقت گمراہی اور دجال سیرتی کے نتائج ہیں اس میں واقعات وحقائق کا کوئی قصور نہیں ہے۔

امام کی ضرورت، مسئلہ امامت کی مختصر تحقیق

وجود امام کے فوائد اور غیبت امام کے اسباب و اسرار

نبی کی ضرورت؟ یہی کہ نوع بشر اپنے اجتماعی وانفرادی نظام زندگی میں ایک قانون کی محتاج ہے وہ قانون اگر کسی غیر معصوم خطا کار انسان کے ہاتھوں پہنچایا جائے تو خود اس کی جانب سے اس میں کتر بیونت کانٹ چھانٹ کا اندیشہ ہے اور اصلاح کے بدلے فساد کا احتمال ہے۔ اس صورت میں دوسروں کو بھی ایسے شخص پر اعتماد کر لینے کی وجہ نہیں اور نہ سر تسلیم خم کر دینے کا کوئی باعث ہے۔

اگر اکثریت کا فیصلہ پورے طور پر حق وصداقت کا ذمہ دار ہوتا تو قانون شریعت کو اکثریت کے آراء پر چھوڑ دیا جاتا اور کسی خاص تشریع وقرار داد اور تبلیغ وتلقین کی ضرورت نہ پڑتی لیکن افسوس ہے کہ خطا کاروں کی اکثریت خطا سے بلند نہیں ہے اور اس لئے ضرورت ہوئی کہ وہ شخص جو قانون زندگی کا مبلغ ہو خدا کی طرف سے مقرر اور واضح نشانیوں کے ساتھ مبعوث ہو جو اس کے حقانیت کی دلیل ہو سکیں۔

پھر افراد نوع کی تلون مزاجی اور خواہش پرستی اس امر کی بھی ذمہ دار نہیں ہے کہ ایک مرتبہ صحیح تعلیمات حاصل کرنے کے بعد وہ پورے ثبات واستقامت کے ساتھ ان کو باقی رکھیں ورنہ کسی ایک نبی کے مبعوث ہونے کے بعد پھر دنیا کو کسی نبی کی ضرورت نہ تھی اور اس صورت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے مبعوث ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

قانون قدرت بدل نہیں سکتا، نظام طبیعت پلٹنے کا نہیں، اُمم سابقہ کی تاریخ کا مطالعہ کرو، اقوام عالم کے طبائع واخلاق کے انقلاب پر نظر ڈالو۔ ہر ہر زمانہ میں تجدید شریعت وارسال رسل کے فلسفہ میں تعمق کرو، کس طرح ایک نبی کے ہدایات اس کے قوم میں تقویم پارینہ سمجھے جانے لگتے اور ایک دوسرے نبی کی بعثت سے تجدید شریعت کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

یہ ان انبیاء کا تذکرہ ہے جن کی شریعتیں مقید اور جن کی نبوت محدود زمانہ کے ساتھ محدود تھی۔ آسان تھا ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کا مبعوث ہو کر اس کی شریعت کے نقش کو از سر نو تازہ کر دیتا اور دوسری شریعت کے ذریعہ سے نوع بشر کی ہدایت کا احیائے ثانیہ ہو جانا، یہی سنت الٰہیہ سابق زمانہ کی امتوں میں برابر قائم تھی:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً۔

لیکن وہ نبوت جو صحیفۂ انبیاء کے لئے مہر اختتام اور جس کی خاتمیت کا اعلان: وَلٰكِن رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ اور لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ کے صاف وصریح ترین لفظوں میں ہو چکا ہو، جس کی انتہا انتہائے دور فلک کی ہمعنان اور جس کا امتداد امتداد عمر دنیا کا ہم نفس ہو یعنی اس نبی کی نبوت جس کے بعد کوئی نبی اور جس رسول کے بعد کوئی رسول آنے والا نہ ہو اس نبی ورسولؐ کے انتقال پر اس کی شریعت کے لئے حافظ کی ضرورت ہے جو اس شریعت کی نگہداری کرے اور اس کو تغیر وتبدیل سے بچا سکے۔ اسی کا نام امام ہے اور وہی جانشین رسولؐ اور خلیفہ بالحق کہے جانے کا مستحق ہے۔

اگر چہ امام کی لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے وسیع ہے امام کے لغوی معنی پیشوا کے ہیں اور اسی حیثیت سے جماعت میں نماز گذاروں کے مقتدا کو امام کہا جاتا ہے لیکن جناب اقدس الٰہی کی قرارداد کے مطابق امامت ایک خاص منصب اور مرتبہ کا نام ہے جس کو وہ صرف اپنے انتخاب سے قابلیت واستعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

کسی منصب وعہدہ کی حقیقت وماہیت کا سمجھنا ناممکن ہے اس لئے کہ اس کی اصلیت قرارداد واعتبار کی پابند ہے اور اس کے آگے کوئی ماہیت نہیں ہوتی۔ بیشک باعتبار لوازم وآثار کے اس کا سمجھنا ممکن ہوتا ہے۔

امام[۱] درحقیقت خدا کی طرف سے پیشوائے خلق اور مطاع مطلق بنا کر کھڑا کیا جاتا ہے، وہ حضرت اقدس تعالیٰ عزّاسمہٗ کی طرف سے ایک نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ لوگ اس کے قدم بقدم چلیں اس کی بات کو سن کر عمل کریں، اس کے ہر طرز عمل کی موافقت کریں اور اس کی اطاعت کو اپنا نصب العین سمجھیں۔ جو شخص نبی یا رسول ہو اس کے لئے امام ہونا ضروری نہیں اور جو امام خلق قرار دیا جائے اس کے لئے نبی یا رسول ہونے کی شرط نہیں ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ باری تعالیٰ کسی کامل ترین ہستی میں نبوت رسالت امامت سب کو جمع کردے۔

امام اگر خود نبی ورسول ہو تو مستقل طور پر نبی ہونے کی حیثیت سے تبلیغ احکام شریعت کرے گا لیکن اگر امامت کا منصب کسی ایسی ہستی کو حاصل ہے جو اس سے افضل رسول ونبی وامام کی موجودگی میں اس کے زیر حکم اور تابع فرمان قرار دی گئی ہو تو اس پیغمبر کی وفات کے بعد اس ہستی کا پیشوائے خلق ہونا ضروری ہے اور خلافت ونیابت کے لباس میں یہ امامت ظاہر ہوگی اور امامت کی اس مخصوص قسم کو خلافت وجانشینی اور وصایت کے الفاظ سے یاد کرنا صحیح ہے اور یہی وہ ہے کہ جس کو نبوت کی فرع کہا جاتا ہے۔

امام اور بالفاظ دیگر حافظ شریعت کا تقرر اگر باہمی پنچائت اور انتخاب خود اختیاری وکثرت آراء کی بنا پر ہو تو اس حافظ ونگہبان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ خود شریعت کے بارے میں اکثریت جس طریقہ پر جائے گی وہی حق سمجھا جائے اگر چہ وہ شریعت کی تبدیل وتحریف اور اس کی تراش وخراش ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر نظام شریعت پر عمل درآمد کے بارے میں اکثریت سے غلطی کا احتمال ہے تو حافظ شریعت کے انتخاب میں بھی اس غلطی کا امکان بہت زیادہ ہے۔

ملکی وملی عہدوں کے انتخابات اور ان کے نتائج ہمارے سامنے ہیں اور ہر شخص ان سے واقف ہے۔

بے جا رعایت، جانبداری، بے انصافی، تقاضائے مروت اور آپس کے تعلقات، موجودہ منافع اور آئندہ کے توقعات، جھوٹے مواعید کا فریب اور بے حقیقت طفل تسلیاں، ذاتی نفوذ واقتدار اور حکام کی بارگاہ میں بے حقیقت اثر ورسوخ، ظاہری تزک واحتشام اور ملمع کار وجاہت واعزاز یہ چیزیں وہ ہیں جو اقلیت کو اکثریت میں تبدیل

[۱] مذکورہ ذیل بحث کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ اصول دین اور قرآن (۲) مطبوعہ الواعظ پریس لکھنؤ

کردینے کے کامیاب ترین ذرائع ہیں اور اکثریتوں کی تشکیل اکثر وبیشتر انہی بنیادوں پر ہوتی ہے پھر اگر امام بھی ایسا ہوا جو خود جائز الخطا ہے اور جس سے غلط کاری اور تلبس وتدلیس کا احتمال ہے تو حفظ شریعت کے بجائے خود اسی کے ہاتھوں شریعت اسلامیہ خطرہ میں اور احکام مذہب معرض زوال میں ہوں گے اور جو مقصد حافظ شریعت کا تھا وہ نیست ونابود ہوگا۔

ایسا ہی منظور ہوتا تو خدائے تعالیٰ کے لئے نبی کا تقرر اپنے ہاتھ میں رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی، اور جب کہ نبی کی تعیین مذکورۂ سابق وجوہ کی بنا پر جناب باری عز اسمہٗ کی طرف سے ضروری ہوئی تو یہی ضرورت بالکل اس امر کی بھی ہے کہ امام کا تقرر خطا کار انسانوں کے ہاتھوں میں نہ ہو۔

اسی بنا پر فرقۂ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ نصب امام اور ایسے شخص کا تقرر جو اپنے علمی کمالات اور ظاہری وباطنی صلاح اور ناقابل زوال مقدس اوصاف کی جہت سے امامت عظمیٰ کے لائق ہو صرف خداوند عالم عز اسمہٗ کی جانب سے ہوسکتا ہے اور وہ یقینا ایک ربانی پیغام کے ذریعہ سے ہونا چاہئے جو رسولؐ کی زبانی امت تک پہنچا ہو۔

اس کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیت کافی ہے۔ ابراہیم خلیل سے خداوند عالم کا ارشاد: ''اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً، ان کی عرض داشت وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ، جناب باری کا جواب لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰالِمِیْنَ صاف طور سے بتلاتا ہی کہ امامت دینیہ اور روحانی ریاست خدا کا عہد اور اس کا مقرر کردہ منصب ہے اور وہ کبھی ظالمین تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ مذہبی صلاح اور مصالح بشر کا لحاظ کرتے ہوئے جو شخص ظاہری وباطنی کمالات سے آراستہ ہو وہ اس کا مستحق ہے اور وہ ایسا ہی شخص ہوگا جو علم باری میں نہ کسی دوسرے شخص پر ظلم کرنے والا اور نہ حدود خدا سے تعدی کرنے کی وجہ سے اپنے نفس پر ظالم ہو۔ (وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰالِمُوْنَ۔) معیار عقل سے یہ امامت مضبوط ترین بنیاد پر قائم ہے امامت کسی محدود جماعت یا مخصوص قریہ شہر یا صوبہ کی حکومت وسلطنت نہیں ہے بلکہ وہ تمام امت کے مصلحت وانتظام کی ذمہ دار ہے اور جہاں جہاں تک کسی شریعت کا دامن وسیع ہو امامت کو وسعت حاصل ہوگی، وہ ایسا منصب ہے جس کے سبب سے یتیم بچہ بیوہ کمزور اور مظلوم غنی، فقیر، قوی ضعیف سب کو برابر فائدہ پہنچے اور عالم میں بشری نظام خدائی منشا کے مطابق پورے طور پر درست ہوا گر امامت ایک ایسے شخص کے سپرد کردی گئی جو خود خواہشات نفس کا پابند ہے تو اس سے خود دوسروں پر ظلم وستم کا اندیشہ ہے چہ جائے کہ اس کے ذریعہ ظالم ومظلوم میں پورے طور سے انصاف کا فرض انجام پائے۔

بلکہ یہ غرض اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب اس کا تقرر اس علام الغیوب ہستی کے سپرد کردیا جائے جو بنی نوع بشر کے باطنی رموز ونیات سے پورے طور پر واقف ہے اس سے بڑھ کر مصالح عامہ کا لحاظ کیونکر ہوسکتا ہے۔ **(جاری)**